اُردو کیا ھے؟

آئی۔ آئی۔ قاضی
ترجمہ: سجاد باقر رضوی

یہ خطبہ صدارت، پاکستان کے ممتاز دانشور جناب علامہ آئی آئی قاضی مرحوم نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو، کراچی میں منعقد ہونے والے "یوم اُردو" کے اجلاس میں پیش کیا تھا۔

ہم آج یہاں یوم اُردو منانے کے لیے جمع ہوئے ہیں اس غیر معمولی تقریب کے خاص اسباب سے ہم سب ہی بخوبی واقف ہیں۔

ہم اس وضاحت سے ابتدا کرتے ہیں کہ یہ کوئی سیاسی اجلاس نہیں ہے۔ جماعتی سیاست سے اس کا دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ نہ ہی ہم یہاں کسی شے یا کسی شخص کے خلاف احتجاج کے لیے جمع ہوئے ہیں جیسا کہ شاید اس ہال سے باہر لوگ سمجھتے ہوں۔

ہم آج یہاں ایک ایسی شے کو خراج تحسین ادا کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں جسے ہم قابلِ احترام سمجھتے ہیں، جو بلاتخصیص رنگ و نسل تمام ہندوستانیوں کے لیے محترم ہے، اور ہم میں سے بعض یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے گم ہو جانے کا خطرہ درپیش ہے۔ ہم اپنے ان بھائیوں کو جو اس سلسلہ میں ہم سے متفق نہیں ہیں، اپنے موقف کا یقین دلانے کی کوشش کریں گے اور ہمیں یقین ہے کہ ہم ان کے خیالات کی ترمیم میں اُن کی مدد کر سکیں گے۔

لفظ "اردو" کی ابتداء کے بارے میں عوام میں اتنی فضول باتیں مشہور ہو گئی ہیں کہ اب اس نام کے سلسلہ میں بھی چند باتیں کہنی بے محل نہ ہوں گی۔ ایک بات تو طے ہے کہ اس سرزمین کا بچہ بچہ لفظ اُردو سے واقف ہے۔ میں ابھی یہ واضح کروں گا کہ درحقیقت یہ ان اولین الفاظ میں سے ایک ہے جو آریہ اس خطّے میں اپنے ساتھ لائے۔ یہ ثابت کرنا آسان ہے کہ یہ لفظ اصلاً ترکی نہیں ہے جیسا کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے۔ میں یہ بات خصوصیت سے اس لیے کہہ رہا ہوں

کہ یہ غلط فہمی بہت سے ذہنوں میں شدید ردعمل کا باعث بنی ہوئی ہے۔ یہ لوگ اس لفظ کو " بدلیں" سمجھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عام طور پر لوگ غور وفکر کی صلاحیت سے کتنے محروم ہیں۔

ہمیں یہ بھی پتا نہیں کہ یہ لفظ (خود ہمارے صوبے میں) روزمرہ کی بول چال میں شامل ہے۔ ہم عام سندھی بول چال میں " اردو " ڈھیر یا اشیاء کے ذخیروں اور انسانوں کے اجتماع کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کے یہ معنی عربوں کے سندھ میں ورود سے تین ہزار برس پہلے سے رائج ہیں۔

تاہم لفظ " ارد " (Urd) سندھ یا ہند میں پیدا نہیں ہوا اس کی ابتداء ماقبل تاریخ کے ماضی میں ہوئی۔ وہ لوگ جو ہند الہانی (Indo Germanic) زبانوں سے کچھ شناسائی رکھتے ہیں، اس لفظ کو اسکینڈینیویا، ایران اور ہندوستان میں (کہ یہ تینوں علاقے آریاؤں کے خاص وطن ہیں) بیک وقت موجود پاتے ہیں قدیم نارڈک (Nordic) دیو مالا میں لفظ " ارد " (Urd) یا " اُرتھ " (Urth) ایک دیوی کا نام ہے جو خود تقدیر ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہند الہانوی زبانوں کے بولنے والوں میں، اپنے مغربی و مشرقی مساکن کی طرف مراجعت سے پہلے ہی، لفظ مستعمل تھا۔

اگر ہم " اوستا " یا قدیم فارسی زبانوں کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہ لفظ وہاں مل جائے گا۔ " اردبیل " کا شہر اور " اردشیر " بادشاہ اس لفظ کے استعمال کے ثبوت ہیں۔

جس مفہوم میں یہ لفظ آج سندھ میں مستعمل ہے اسی مفہوم میں جدید فارسی میں بھی استعمال ہوتا ہے، مثلاً فوج، کیمپ، بازار وغیرہ۔ اور ان تمام مفاہیم میں قدر مشترک بالکل واضح ہے۔ یہ ڈھیر بھی ہے مجمع اور مجموعہ بھی۔

لفظ " ارد " میں شروع ہی سے ایک خصوصی اشارہ دہشت اور خوف کا بھی ملتا ہے۔ تجسیمی صورت میں یہی خصوصیت " ارد " دیوی کی ہے جس کے معنی ایک ایسی شے کے ہیں جو مقدر کی طرح دہلانے والی ہو۔

ساری دنیا کی تاریخ میں ایک ایسا دور موجود رہا ہے کہ کسی مجمع یا فوج کو تقدیر کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ کسی آزاد خانہ بدوش کو، جو تنہا آزادی سے گھومتا ہو " ارد " کو مقدر سمجھنا اس کے لیے فطری بات ہوگی۔ ان آریہ مہاجرین نے، جو اسکینڈینیویا کی طرف گئے، اس لفظ کے ساتھ یہی مفہوم وابستہ کیا۔

بعد ازاں اس کی اور صورتیں بھی پیدا ہوگئیں۔ یہی لفظ نئی صورت میں " فرُد " (Furd) یا " فرد " (Ferd) بن گیا (زبانوں میں اس قسم کی تبدیلیاں عام ملتی ہیں)۔ اس کے معنی بھی فوج ہی ہیں۔ اسی زمانے میں اسکینڈینیویا والوں نے دو اور دیویوں کو " ارد " کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ ایک " فرداندی " (Perdandi) اور دوسری

"اسکلڈ" (Skuld) یہ بات واضح ہے کہ لفظ "فرواندی" "فرد" سے نکلا ہے جو خود "ارد" ہی کی ایک اور صورت ہے اور لفظ "اسکلڈ" کا تعلق "اسکل" (Skull) یا اسکیلیٹن (Skeleton) سے ہے۔ یہ مقدر کی ملتی جلتی مختلف صورتیں ہیں جن کا تعلق ذہنوں اور جسمانی ڈھانچوں سے ہے لیکن اب ہمیں اس راہ میں زیادہ بھٹکنا نہیں چاہیئے۔ یہ کہنا کافی ہے کہ لفظ "فرد" (Ferd) کے معنی بھی فوج ہی کے ہیں اور المانی اسمائے معرفہ مثلاً "فردنیند" (Ferdinand) میں اب بھی موجود ہیں۔

پس ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لفظ "ارد" آریائی زبان کے قدیم ترین لفظوں میں سے ہے اور آج تک زندہ چلا آتا ہے۔ یہ آریائی تمدن کی ابتداء اور اس کی خاصیت کا مظہر ہے یعنی انسانی معاشرت کا۔

حضرات! یہی وہ لفظ ہے جو لفظ "اردو" کا ماخذ ہے جس کے معنی ایسے مجمع کی زبان کے ہیں کہ جس میں ہر قسم کے لوگ شامل ہوں فی زمانہ ہم لفظ "اردو" کا ترجمہ "عوام الناس کی زبان" یا "عالمی زبان" بھی کر سکتے ہیں۔

اب ہم اردو زبان کی طرف آتے ہیں۔ اس زبان کی اساس بنیادی طور پر سنسکرت پر ہے جس نے اس خطے میں اپنی تشکیل کے دوران میں بہت سے دراوڑی الفاظ سموئے اور بعد ازاں سنسکرت کی بڑی بہن فارسی نے اس کی تزئین کی۔ جدید فارسی نے عرب کے ساتھ پانچ سو سالہ تعلق میں ہزاروں کی تعداد میں عربی الفاظ سمو لیے (کم و بیش تمام یورپی زبانوں جتنے) اور غیر محسوس طور پر یہ الفاظ اردو میں آگئے۔ اسی طرح ہزاروں عربی الفاظ قدیم فرانسیسی کے ذریعے انگریزی میں در آئے۔ تاہم اردو زبان کی بنیاد ہر لحاظ سے سنسکرت ہی پر قائم ہے محض اس کا ارتقاء اور اس کی تزئین ایرانی ہے۔

یہاں تک تو بات اردو کے نام کی ابتداء اور اس کی ماہیت کی ہوئی۔

اس زبان کی تاریخ کے موجودہ بحران کا سبب، جس کے باعث بالواسطہ طور پر آج کا یہ غیر معمولی مگر شاندار جلسہ ہو رہا ہے، یہ بتایا جا سکتا ہے کہ ہندوستانی عوام کے ایک گروہ کی خواہش یہ ہے کہ اس زبان کو اپنے اصل مقام سے ہٹا دیا جائے اور اس کم ترقی یافتہ قدیم بولی کی طرف مراجعت کی جائے جو ہندوستان میں اسلامی تمدن کے ورود سے پہلے رائج تھی اور یوں زبان سے سات سو برس کے انتقائی عمل کو خارج کر دیا جائے۔ یہ وہی زبان ہے جو اکبر اعظم کے دور میں اپنے نام اور خصائص سے پورے طور مختص ہوئی۔ اس دور میں نسل و فرقے کی تفریق ختم ہو رہی تھی اور مغل ہندوستان کو اپنا وطن کہنے پر فخر محسوس کرتے تھے اور وطن کی زبان بولنے میں کوشاں تھے۔

بہر حال، ہمیں اپنے بھائیوں کی خواہش پر کوئی تعجب نہیں ہے۔ تقریباً ایسے تمام لوگ جو یک بیک اپنے قومی

وجود کا شعور حاصل کرتے ہیں ہم اس بات کی وضاحت کے لئے محض ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ ہم انگلستان کی تاریخ کے اس دور کی شہادت دیتے ہیں جس میں شاہ ہنری ہشتم اور ملکہ ایلزبیتھ کی حکمرانی تھی۔ کلیسائے روما سے علیحدگی اور ایک آزاد قوم کی علیحدہ انفرادیت کے شعور نے انگلستان میں علماء کی بڑی تعداد کو اس بات پر اکسایا کہ انگریزی زبان سے تمام لاطینی الفاظ اور محاوروں کو خارج کریں۔ اس بات کے لیے بڑی سنجیدہ کوششیں بھی کی گئیں لیکن بعد ازاں اسے لاحاصل سمجھ کر ترک کر دیا گیا۔ اس سرزمین کے عقل مند لوگوں کو یہ بات ہمیشہ ایسی لگی جیسے چہرے کو بدنما کرنے کے لیے ناک کاٹ دی جائے۔

لیکن یہ مسئلہ نسبتاً زیادہ آسان تھا۔ روم سے قطع تعلق کرنے کی انگریزوں کی خواہش محض ایک جذباتی معاملہ تھا اور اس کا اطالوی باشندوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ہندوستان میں یہ خواہش، جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، لاینحل طور پر پیچیدہ ہو گئی ہے۔ پچھلے آٹھ سو برسوں میں جو الفاظ اس زبان میں شامل ہو گئے ہیں انھیں بے دخل کرنے کی خواہش کا مطلب محض اس ارتقاء سے تنافر کا اظہار نہیں ہے جس کی یہ زبان متحمل ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ملک کے وہ لاکھوں انسان جو اس ارتقاء کا باعث ہیں بدیسی اور ناقابل قبول ہیں۔

پیشتر اس کے کہ ہم مزید آگے بڑھیں، آیئے اس ارتقاء کی نوعیت پر سرسری نظر ڈالتے چلیں اور یہ دیکھیں کہ اس طرح نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا اس سے متاثر ہوئی۔ صداقت کا احترام کرنے والے اور تاریخ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے والے کو بلا دقت یہ دکھائی دے جائے گا کہ دسویں گیارھویں اور بارھویں صدی میں ایک ہی قسم کے محرکات نے مغرب و مشرق دونوں میں تازہ افق پیدا کئے اور چودھویں اور پندرھویں صدیوں کے قریب یورپ اور ہندوستان دونوں نشاۃ ثانیہ سے دوچار ہوتے۔

دونوں برعظیموں میں شروعات مذہبی اصلاحات سے ہوئیں۔ فرانس میں ابی لارڈ جیسے لوگ پیدا ہوتے، انگلستان میں مصلحین مذہب ستاروں کی طرح جگمگاتے۔ روجر بیکن کے مارٹن لیوتھر میں متشکل ہوئے۔ ہمارے یہاں معاصر مذہبی اصلاح کی تحریک نانک اور کبیر قسم کے لوگوں کے ذریعے نمایاں ہوئی۔

اسی طور شاعری میں پراونکال (Provencal) کے ادب، یورپ میں ترب دار (Troubadour) شعراء، اور ہندوستان میں امیر خسرو اسی محرک قوت کی پیداوار تھے۔ یہ سب اسی رابطے کا اظہار اور براہ راست نتیجہ تھے جو ایک طرف اسپین اور سسلی میں اور دوسری طرف سندھ اور پنجاب میں استوار ہوا۔

وہ لوگ جو ان الفاظ کو یا زبان کی اس ارتقائی صورت کو، جو یورپ یا ہندوستان میں پیدا ہوئی، خارج کرنا

چاہتے ہیں۔ اس کام کو بالآخر مطلقاً ناممکن پائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پچھلے ایک ہزار برسوں میں دنیا جس نہج پہ پہنچ چکی ہے اسے بالکل الٹ دیا جائے۔

خود ہندوستان میں محض یہ نہ ہوگا کہ شاعری کا بہت بڑا حصہ ختم ہو جائے گا بلکہ مذہب کو بھی نانک سے پہلے کے 'دور' یعنی دیومالائی دور، میں پہنچا دیا جائے گا۔ نہ صرف یہ کہ قطب مینار سے لے کر تاج محل تک کی تمام تعمیراتی یادگاروں اور جدید عہد کے بیشتر مہاراجوں کے محلات کو بلکہ مصوری کا مدرسۂ فکر بھی باقی نہ رہے گا کیونکہ یہ بھی مغلوں کے اثرات کے تحت آئی ہوئی ایرانی مصوری کے نئے رابطے کا براہِ راست نتیجہ ہے۔

اب تک ہم نے اپنے دیسی بھائیوں کے اس طبقے کے جذبات و خواہشات پر غور کیا ہے جو اس عجیب تصور کے حامل ہیں کہ کوئی ہندوستانی خواہ وہ کتنا ہی قدیم کیوں نہ ہو (خواہ وہ اس سرزمین پر اولین دور کے آریاؤں کی آمد سے تین ہزار سال قبل کے لوگوں میں سے ہو یا ان آریاؤں میں سے جو چار ہزار سال قبل آریاؤں کی پہلی کھیپ کے ساتھ ایران سے وارد ہوتے)، اگر وہ تاریخ کی اس نمایاں حقیقت کی توثیق کرتا ہے کہ اسلامی رابطے نے جو کچھ پچھلے ہزار برسوں میں یورپ اور ہندوستان میں کیا وہ دونوں کے لیے نفع بخش ہے اور اس کے اثرات ختم نہیں کیے جا سکتے، تو اس پر حقہ پانی بند کر دیا جانا چاہیے اور اسے بدیسی تصور کیا جانا چاہیے کہ اس کے اثرات مضر اور اس کا وجود ناقابل برداشت ہونا چاہیے لہٰذا اسے تباہ کر دینا چاہیے اور اس کے نشانات تک مٹا دینے چاہییں۔ اردو بھی انہی نشانات میں سے ایک ہے۔

اب ہم اس تصویر کے دوسرے رخ کی طرف آتے ہیں۔ ہندوستانیوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو اس سے زیادہ محیر العقول تصور کا حامل ہے۔ اس طبقے کا خیال ہے کہ چونکہ بہت کم لوگ جنہیں وہ اپنے اجداد تصور کرتا ہے آج سے بارہ سو برس پہلے اس ملک میں آئے (جس کا مطلب یہ ہوا کہ ولیم فاتح کے انگلستان کی سرزمین پہ قدم رکھنے سے تقریباً تین سو برس پہلے اور کسی نارمن بادشاہ کے انگریزی بولنے اور فرانسیسی زبان ترک کرنے کے چھ سو سال پہلے) لہٰذا وہ اب بھی ہندوستانی نہیں بلکہ بدیسی ہے۔ یہاں ہم یہ بتا دیں کہ اس طبقے کا بیس میں سے ایک حصہ بھی ایسا نہیں ہے جو بارہ سو برس پہلے ہندوستان آیا ہو۔ بیس میں سے انیس اس ملک کے باشندے ہیں، اور بیشتر دراوڑی جو ماقبل تاریخ سے ہندوستان کے باشندے تھے۔

کسی بھی ذی فہم آدمی کے لیے اپنے بھائیوں کا یہ طبقہ بھی اتنے ہی جنون کا حامل ہے جتنا کہ پہلا طبقہ، کوئی ہندوستانی یعنی ایسا شخص جو اس سرزمین پر پیدا ہوا ہو اور یہیں نشو و نما پائی ہو وہ اس خوب صورت سرزمین سے اپنے تعلق پر کسی قسم کی شرمندگی محسوس نہیں کرے گا۔ خواہ وہ دراوڑی عہد سے ہو یا اولین اور بعد کے آریائی دور سے،

وہ شخص جو یہاں کے ادب، یہاں کے فنون، یہاں کی تاریخ اور یہاں کے تمدن پر فخر محسوس نہیں کرتا، خواہ وہ ماقبل اسلام کے دور سے متعلق کیوں نہ ہو، اسے تعلیم یافتہ نہیں کہا جا سکتا۔ کوئی ہندوستانی مسلمان یا کوئی اور شخص جو اس خیال سے تسکین حاصل نہیں کرتا کہ میرا تعلق ان لوگوں اور اس ملک سے ہے جہاں کالی داس اور گوتم پیدا ہوئے، مہذب نہیں ہو سکتا محض یہی نہیں، ایسا شخص یہ ظاہر کرتا ہے کہ اسے اسلامی تہذیب و تمدن کی ہوا بھی نہیں لگی۔ میں اس سے بھی آگے کی بات کہتا ہوں۔ ایسا شخص خود کو مسلمان کہتا ہے مگر وہ اسلام کے معنی سے بھی واقف نہیں ایسا شخص اپنی بدترین کارروائی ہندوستان کے خلاف نہیں کرتا بلکہ محض اپنی کم فہمی کے باعث اسلام کو بدنام کرتا ہے۔

اب اپنے موضوع کی طرف واپس آئیے۔ اردو زبان ہندایرانی زبانوں کی سب سے کم عمر اور سب سے پیاری اولاد ہے یہ پیداوار ہے آفاقی رابطوں اور اتحاد کی۔

ایسا شخص جو اس اتحاد کو بدیسی سمجھتا ہے اور بیسویں صدی میں "مہابھارت" کی زبان بولنا چاہتا ہے اور اس عہدِ قدیم میں مستعمل الفاظ کے علاوہ ایک لفظ بھی نیا استعمال نہیں کرنا چاہتا، اسے اس دور میں زندہ رہنے کا حق ہی نہیں ہے۔ وہ ایک ایسے تنگ اور متعصب ذہن کا اظہار کرتا ہے جس کے لیے نہ صرف یہ کہ حقیقت یا بین الاقوامیت بے معنی الفاظ ہیں بلکہ اس کے لیے روشنی اتنی ہی بھیانک ہے جتنی اُلّو کے لیے سورج۔

یورپ سے واپس آنے کے بعد پہلے آٹھ مہینوں میں جو چیز مجھے سب سے زیادہ مضحکہ خیز نظر آتی ہے وہ یہ کہ مادرِ وطن سے محبت کے شدید اظہار کے باوجود مسلمان یا غیر مسلم ہندی اپنے آپ سے محبت میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

ان کا ایک طبقہ خود کو اس ماحول اور عہد سے وابستہ کرتا ہے جو اس ملک میں تین ہزار سال پہلے موجود تھا جب کہ دوسرا تین سو برس پہلے دور کا عاشق ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ہندوستان سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے علاوہ جو ہر ممکن طور پر اپنا پیٹ بھرا رکھتے ہیں اور زیادہ کھا کر غیر ضروری باتوں پر بحث و تمحیص کے لیے وقت نکال لیتے ہیں، یہ سرزمین اور اس کے بیشتر باشندے شائستگی اور تہذیب سے عاری رہتے ہیں۔

ایسے میں جب کہ یہ اس بات پر لڑ رہے ہیں کہ کون سی زبان پڑھائی جائے۔ سارا ملک ناخواندگی کا شکار ہے۔

ہندوستانی ادب عملاً مر چکا ہے۔ ہندوستانی فن دفن ہے۔ ہندوستانی صنعت مدت سے ختم ہو چکی ہے۔ ہندوستانی زراعت کا طریقِ کار غیر پیداواری ہے۔ ننھے منے، احمقانہ اور بے معنی اختلافات اور اس کے نتیجے کے طور پر فضول باتیں، ہمہ وقت اس پیٹ بھرے طبقے کا مقدر ہیں جب کہ وہ ملک جو اللہ تعالیٰ نے اسے بطور تحفہ دیا ہے، تاکہ وہ اسے جوتے بوئے اور خوب صورت بنائے، ویران ہے اور تباہی و بربادی کی طرف جا رہا ہے

اگر وہ ہندوستان کا خستہ یا ابتخیال رکھتے تو محض یہ نہیں کہ پچھلے آٹھ سو برس کے آہستہ مگر آفاقی ارتقاد کے نتیجے میں آئے ہوئے خیالات و الفاظ کو رد کرنے کے بارے میں نہ سوچتے بلکہ دن رات کام کرتے اور چار دانگ عالم میں سفر کرکے حتی الامکان خیالات اور الفاظ کے ذخائر سمیٹ لاتے اور ان اپنی زبان میں اضافہ کرتے۔ وہ ہر قسم کے پھولوں کی تلاش کرتے خواہ وہ جاپان میں کیوں نہ اگتے ہوں۔ پیڑوں کی جستجو کرتے خواہ وہ برازیل میں پائے جاتے ہوں۔ پھلوں کو اکٹھا کرتے خواہ وہ کیلی فورنیا سے ہی آتے ہوں۔ وہ اس دنیا کے کونے کونے سے کوئی نہ کوئی ایسی چیز، جو اس سرزمین کو خوب صورت اور زرخیز بنانے والی ہو اور اس ملک کے ذہن و روح کے فروغ کے لیے ضروری ہو، سمیٹ لاتے۔ اور یہ کام لمحہ بھر انتظار کیے بغیر کرنے کا تھا۔

کیا ہمارا اب بھی یہ عقیدہ ہے، جیسا کہ بعض کم فہم لوگوں کا ماضی میں تھا، کہ ہندوستان کو خدا نے بنایا اور دنیا کے دیگر حصے کم حیثیت دیوتاؤں نے تخلیق کیے؟

قوم پرستی اگر عقل پر مبنی ہو تو یہ کسی اور چیز سے نفرت نہیں سکھاتی۔ عقلی قوم پرستی کا تقاضہ یہ ہے کہ جسمانی، ذہنی اور روحانی تکلیف کے بغیر ہم اس سرزمین کو، جو خدا نے ہمیں عطا کی ہے، خوب صورت بنائیں اور اپنے اس ملک کے لیے جس میں ہم رہتے ہیں، اپنے فرائض کو پورا کرنے میں کسی سے پیچھے نہ رہیں۔ ہم کسی قابلِ قدر شے سے نفرت نہ کریں، خواہ ہم نے اسے کسی طور حاصل کیا ہو یا اس کا وجود کہیں اور ہو۔ محض یہ نہیں کہ یہ بات قابلِ اعتراض نہیں، بلکہ یہ کہ یہ ہمارا سیدھا سادا فرض ہے کہ ہم ایسی اشیاء کو جو ہمارے لیے فائدہ مند ہیں، کسی جگہ سے بلکہ ہر جگہ سے لائیں۔ میرے ذہن میں دنیا کی تاریخ کے اس موڑ پر قوم پرستی کا اور کوئی تصور ایسا نہیں ہے جو کسی سمجھ دار آدمی کے لیے قابلِ قبول ہو۔

کیا اس سرزمین پر کوئی ایسا باپ ہے، خواہ اس کے عقاید کچھ ہوں جو اپنے بیٹے کو کالیداس کی زبان سکھانا پسند کرے گا۔ سنسکرت زبان جو اردو کی محترم ماخذ ہے؟ اور کیا کوئی ایسا تنگ نظر باپ موجود ہے جو ان تمام خوبصورت خیالات پر، جو پچھلے نو سو برس میں پیدا ہوئے، فخر نہیں کرے گا کہ جن میں خود اردو بھی شامل ہے اور یہی وہ مدت ہے کہ جس میں ایشیا اور ہندوستان دونوں کا نشاۃ ثانیہ ہوا۔

ان لوگوں کے نزدیک جن کے پاس آنکھیں ہیں اردو ایک علامت ہے، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، آفاقیت کی، بین الاقوامی آدمیت کی اور دنیا کے تین عظیم تمدنوں کے نقطہ اتصال کی —— ہندی الہاٰوی تمدن، سامی تمدن اور منگولی تمدن۔ اور یوں یہ ایشیا کی عوامی زبان ہونے کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ایسی اساسی زبان

میں سے ایک ہے کہ جس سے بول چال کی عالمی زبان پیدا ہونی چاہیئے۔

کیا اُردو کو غیر مہذب، تنگ نظر اور بیہودہ توہمات و خرافات کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا چاہیئے؟ اور کیا اس کے ساتھ ہماری موجودہ تکمیل اور مستقبل کے ارتقاء کو بھی۔ ؟

اس بات میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے کہ وہ لوگ جو اپنی اپنی سمجھ کے مطابق سنسکرت یا عربی سے غیر عقلی نفرت کا مظاہرہ کرتے ہیں، ہندوستان کی ترقی نہیں چاہتے۔ وہ اس ملک سے محبت نہیں کرتے۔ وہ سچائیوں سے بھی پیار نہیں کرتے۔ وہ کسی ایسے بے بنیاد احساس تفاخر کے نشے میں ہیں جس سے کوئی خوبی پیدا ہی نہیں ہو سکتی اور وہ ہندوستان کے فروغ یا اس کے مستقبل کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کرتے وہ کسی نہ کسی قسم کے ماضی میں زندہ اور وجود رکھتے ہیں لہٰذا انھیں دفن کر دینا بہتر ہے۔

معززین! یہ موضوع، جس پر میں آج شام گفتگو کر رہا ہوں، لامحدود ہے۔ اس کے بہت سے پہلو ہیں جن پر مزید اور زیادہ سیر حاصل گفتگو ہو سکتی ہے۔ اس شام کی گفتگو خواہ کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو، میرا خیال ہے کہ یہ آپ کے لیے تصورات کے نئے تناظر پیدا کرے گی، کم از کم آپ میں سے بعض کے لیے جو اپنی اس جنم بھومی کے لیے کچھ نہ کچھ کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، جو آپ کو اپنی پناہ میں لیے ہوتے ہے، بالخصوص ایسے موقع پر جب کہ اس دنیا کا کوئی اور ملک کسی قیمت پر بھی آپ کو داخلے یا پناہ کی اجازت نہیں دے گا۔

مجھے اجازت دیں کہ میں اپنی گفتگو کو ایک حرف تنبیہ پر ختم کروں۔ اردو، ہندی، ہندوستانی یا کسی اور لفظ کے مسئلہ پر محض جھگڑنے کی خواہش میں جھگڑا کرتے ہوئے آپ دوبارہ غور کریں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے اور ٹیوٹانک (Teutonic) "اُردو" دوبارہ جاگ اٹھے اور بربادیوں کے "فرد" کو کھلی چھٹی دے دے۔ پھر تو نا سمجھ، تنگ نظر، جھگڑنے والوں کو اللہ کی پناہ، کہ وہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔

(بشکریہ سویرا مئی ۱۹۴۶ء)